ڈاکٹر صوفیہ یوسف
صدر شعبۂ اُردو، شاہ عبداللطیف یونیورسٹی خیر پور
سید ارتضیٰ حسن کاظمی
پی ایچ-ڈی سکالر (اُردو) شعبہ اُردو شاہ عبداللطیف یونیورسٹی خیر پور

# ناصؔر کاظمی بحیثیت نظم نگار

Urdu poem as a genre emerged under sufi saints in Dakken much earlier than Urdu Ghazal, since, it was more suitable for preaching. Urdu poem blossomed greatly in the hands of Iqbal and it became a powerful medium to express the inner feelings of the heart on a par with Ghazal. Nasir Kazmi, who is regarded as one of the chief architects of modern Urdu ghazal, began his literary career as a poet. He was greatly influenced by Akhter Sherani, therefore, his poems are romantic, magical, idealistic and mystical. , Moreover, just like his poems, his patriotic songs are also a masterpiece of literature as his selected words are charged with utmost degree of expression. However, his poems were overshadowed by his remarkable work in the field of ghazal. His poems can be judged by the touchstone of both Eastern and Western traditions of poetry. Nasir was a versatile genius and his creative work other than ghazal needs to be explored by all of his fans and contemporary critics.

اُردو نظم نے غزل کی طرح دکنی گہوارے میں آنکھ کھولی لیکن اس کے بارے میں یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اِس کا ظہور اُردو غزل سے پہلے ہوا۔اس منطق کو سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ بھرپور اظہار کا ملکہ جو نظم کو حاصل ہے، غزل اپنے رمزیہ انداز کے باعث اس سے محروم ہے۔ اس کے علاوہ غزل اپنی ہیئت کے اعتبار سے اُس کام کے لئے موزوں نہ تھی جو اُردو شاعری کو نظم کی ہیئت میں سرانجام دینا تھا۔نظم کی خوش بختی یہ رہی کہ ابتدا میں شاعری سے مذہبی عقائد کی ترویج کا کام لیا گیا تھا۔نظم اس مقصد کے لئے نہایت موزوں صنف تھی لہٰذا آغاز اور ابلاغ کے مواقع خود بخود اس کے ہاتھ آ گئے:

> ’’غزل کی طرح اُردو نظم کا آغاز بھی دکنی دور سے ہوتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دکنی دور میں نظم پہلے وجود میں آئی اور غزل بعد میں! اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ دکن میں شاعری کو آغازِ کار میں مذہبی اور تبلیغی مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا جس کے لیے غزل کی بجائے نظم زیادہ کارآمد تھی۔‘‘[1]

البتہ ایک فوقیت جو گیت اور بطورِ خاص غزل کو نظم پر حاصل تھی وہ یہ کہ قلبی کیفیات کا اظہار جس قدر غزل میں آسانی کے

ساتھ کیا جاتا رہا ہے،نظم اس سے یکسر محروم رہی۔ گداز اور کرب کے بیان پر جو قدرت عمدہ غزل کا منصب رہا اُس پر نظم کبھی براجمان نہ ہو سکی۔ خارجی کیفیات کی علم بردار نظم داخلی جذبات کے اظہار سے عاری نظر آ رہی تھی۔ اس صورتِ حال میں اقبالؔ نے اُردو نظم پر یہ احسان کیا کہ اسے داخلیت کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ یوں نظم بھی دوسری اصناف کی طرح معتبر اور ممتاز ہو گئی:

''اقبال سے پہلے اُردو نظم داخلی کرب اور اس سے پیدا ہونے والے گداز سے بڑی حد تک نا آشنا تھی۔ جدید اُردو شاعری میں اقبالؔ کی یہ عطا کیا کم ہے کہ اس نے نظم کے دامن کو داخلیت کے قیمتی سرمائے سے بھر دیا اور آج اسی وجہ سے اُردو نظم بھی دوسری اصناف کے مقابلے میں سر بلند و سرفراز ہے۔''۲

اقبالؔ نے اس بھر پور انداز میں نظم کی آبیاری کی کہ یہ نخل ہرا بھرا نظر آنے لگا۔ نظم نہ صرف داخلیت کے اظہار کا ذریعہ سمجھی جانے لگی بلکہ اُردو زُبان کا سکہ بیٹھانے اور اسے مقبول بنانے میں اہم سمجھی جانے لگی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ نظم ہی وہ وسیلہ بنی جس نے اقبالؔ کے جمالی اور جلالی لب و لہجہ کو جذب کیا اور اس کی ترسیل کی۔ اقبالؔ اپنی تمام تر توانائیوں کو اس طور بروئے کار لائے کہ نظم اُردو شاعری کے اعصاب پر آج بھی چھائی ہوئی ہے اور اب تک اس کا جادو چل رہا ہے۔ اقبالؔ کے بعد یقیناً اُردو نظم کے سنہرے دور کا آغاز ہوا۔ اقبالؔ کا یہ کارنامہ بھی اپنی جگہ لائقِ تحسین ہے کہ اقبالؔ کے بعد بے شمار جیّد شعراء نے نظم ہی کو اپنے ابلاغ کا موثّر ذریعہ سمجھا۔ قابلِ بیان بات یہ ہے کہ ان شعراء میں فنِ شاعری سے متعلق اجتماعی اور انفرادی رویے اور نظریے رکھنے والے سبھی شعراء شامل تھے۔ ترقی پسند تحریک کے ساتھ ساتھ اِس کے مخالفین اور شاعری میں انفرادی رُجحانات کے علم بردار بھی غزل کی بجائے نظم کے فروغ کا سبب بنے جو باعثِ حیرت ہے:

''اقبالؔ کے بعد اُردو شاعری میں نظم کا سکہ جاری ہو گیا۔ تصدق حسین خالد، میرا جی، ن م راشد، یوسف ظفر، ضیا جالندھری، قیوم نظر ایک طرف، دوسری طرف فیض احمد فیضؔ، احمد ندیم قاسمی، ساحر لدھیانوی، مختار صدیقی اور مجید امجد اور ان کے ساتھ بہت سے نام ور شاعروں نے جن میں ابوالاثر حفیظؔ جالندھری بھی شامل ہیں، نظم کی صنف میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔''۳

اس دور میں بہت سے شعراء ادب کے ایک سے زیادہ ذائقوں سے آشنا ہوئے اور ان ذائقوں کی انفرادیت سے لطف انداز ہوئے۔ غزل، نظم، تنقید، غرض ہر ذائقہ اُن کی زُبان پر تھا۔ اپنی بے قراری کو نظم کرنے اور اس صنف میں نت نئے تجربات کا سہرا مجید امجد کے علاوہ میرا جی کے سر جاتا ہے کہ جن کے طفیل مغربی ادب کا ذائقہ بھی مشرقی نظم میں گُھل مل گیا۔ یوں ایک نئے دبستان کی بنیاد پڑی اور اس نئے دبستان سے بہت سے شعراء فیض یاب ہوئے:

''اس میں شک نہیں کہ میرا جی نے جس طرح مغربی ادب کے عناصر کو اپنی ادبی شخصیت میں سمویا تھا اس سے اُردو نظم میں ایک نئے دبستان کا آغاز ہو چکا تھا۔''۴

ناصرؔ کاظمی نے بھی اِسی عہد میں نظم کی ابتدا کی۔ اس میں شک نہیں کہ یہ دور نظم کے حوالے سے تاریخ ساز دور تھا کہ جس میں اِن کے مدِ مقابل بہت سے بلند پایہ شعراء میدان میں اُتر چکے تھے۔ ناصرؔ کاظمی نے جب شعر و سخن کا آغاز کیا تو اُس

وقت اخترؔ شیرانی کا طوطی بولتا تھا۔ناصرؔ کاظمی ان کی شعر گوئی سے متاثر ہوئے ۔اخترؔ شیرانی بلا شبہ نظم کے بہت بڑے شاعر ہیں تھے لہٰذا ابتداء میں ناصرؔ نے ان کے انداز میں نظمیں کہیں۔یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ ناصرؔ نے غزل کی بجائے ابتداء میں نظم کو اپنے خیالات کی ترجمانی کے لئے منتخب کیا۔یہی وجہ ہے کہ غزل کے ساتھ ساتھ نظم سے قربت بھی انہیں محبوب رہی۔اخترؔ شیرانی کے اشعار میں دلچسپی لینے کے دوران ناصرؔ نے غزل پر توجہ دینا اپنی والدہ کے اصرار پر شروع کیا:

''اُن دِنوں میں ننھی منھی نظمیں کہتا تھا اوراختر شیرانی کے شعر بہت رچاؤ کے ساتھ پڑھتا تھالیکن والدہ کے اصرار پر غزل شروع کی۔''۵

ناصرؔ کاظمی بنیادی طور پر شاعر تھے اور وہ شاعری کو محض اظہار کا ذریعہ نہیں سمجھتے تھے۔ان کے نزدیک شاعری ایک ردیے کا نام ہے۔ایسا رویہ جو کوئی انسان زندگی کے بارے میں اپناتا ہے۔زندگی کو سمجھنے کے لئے اپناتا ہے ۔وہ چیزوں کو کس طرح دیکھتا ہے ؟اور کس طرح اس کا موثر اظہار کرتا ہے ؟ یہ سب شاعری کے زمرے میں آتا ہے۔یہ الگ بات ہے کہ انہیں زیادہ کامیابی اور پذیرائی غزل کے میدان میں نصیب ہوئی،لیکن وہ تمام اصنافِ سخن کو ایک جیسا سمجھتے تھے اوربطورِ خاص کسی ایک صنف کو اپنی شاعری کے لئے مخصوص کرنے کے خواہاں نہ تھے۔غزل کو اپنی محبوب صنف کے طور پر منتخب کرنے کے حوالے سے اُنہوں نے اپنی لاتعلقی کا اظہار کیا۔اُنھوں نے اپنے ایک انٹرویو میں اپنے مخصوص نقطۂ نظر کی یوں وضاحت کی:

''اصل میں غزل کی روش پر تو میں نہیں چل نکلا۔ مجھے غزل ، قطعہ، رباعی، آزاد نظم وغیرہ سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ مجھے تو شاعری سے سروکار ہے۔تمہیں پتہ ہے کہ شاعری صرف مصرعے لکھنے کا کام نہیں۔ شاعری تو ایک نقطۂ نظر ہے زندگی کو دیکھنے کا، چیزوں کو دیکھنے کا ، ان کو ایک خاص موزوں طریقے سے بیان کرنے کا نام شاعری ہے۔''٦

اُن کے اس نقطۂ نظر کی روشنی میں یہ وضاحت ہو جاتی ہے کہ نظم بھی ان کو اس درجہ محبوب تھی جس درجہ وہ غزل کو محبوب رکھتے تھے۔تاہم یہ ممکن ہے کہ ناصرؔ نے اپنی انفرادیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے عمومی ڈگر سے انحراف کیا ہو۔ورنہ سانیٹ اورنظم گوئی کا باقاعدہ آغاز اُنھوں نے غزل سے پہلے کیا تھا۔ادبی دنیا میں بھی وہ ایک نظم گو شاعر کے روپ میں متعارف ہوئے:

''ناصرؔ صاحب کی شعر گوئی کا آغاز ۱۹۴۰ء سے ہوا لیکن ادبی حلقوں تک ان کی آواز ۱۹۴۲ء میں پہنچی جب آل انڈیا ریڈیو لاہور کے پہلے نشریہ مشاعرے میں اُنھوں نے اپنا کلام پڑھا۔شاعری کی ابتداء سانیٹ اور نظم سے ہوئی اور اس رنگ میں اخترؔ شیرانی مرحوم سے وہ خاصے متاثر رہے پھر خیال کر کے کہ یہ رنگ کچھ تقلیدی سا ہے غزل سرائی شروع کی۔''۷

یہ بجا ہے کہ ناصرؔ کی وجۂ شہرت اِن کی غزل بنی لیکن ناصرؔ کی نظم بھی ادبی دنیا میں اپنا مقام بنا رہی تھی۔ناصرؔ کاظمی کی پہلی

کتاب برگِ نَے ۱۹۵۲ء میں شائع ہوئی۔ یہ ان کی غزلوں کا پہلا مجموعہ ہے۔ اس کے بعد اِن کا کوئی کلام ان کی زندگی میں ہمارے سامنے کتابی صورت میں منظرِ عام پر نہ آسکا۔ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۵ء تک کا زمانہ ناصؔر کی شاعری کا بھر پور زمانہ تھا۔ اِسی دور میں وہ نظم گوئی پر بھی پوری توانائیاں مرکوز کیے ہوئے تھے۔ ان کی بہت سی نظمیں تواتر کے ساتھ ادبی رسائل کی زینت بن رہی تھیں۔ ان نظموں کے علاوہ ان کا منظوم ڈرامہ بھی ادبی مجلّے میں شائع ہوا:

''ناصؔر کا پہلا مجموعۂ کلام برگِ نے ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا۔ اس کے تقریباً دو برس بعد ان کی طویل نظمیں 'نیا سفر'، 'شہرِ غریب' اور 'نشاطِ خواب' اور ایک منظوم ڈرامہ 'سُر کی چھایا' معتبر ادبی مجلوں میں شائع ہوئے۔''۸

برگِ نَے (جو ناصؔر کی غزلوں کا مجموعہ تھا) کی اشاعت کے بعد ناصؔر کاظمی کی شہرت ایک ممتاز اور منفرد غزل گو کے روپ میں ہوئی۔ اس کے بعد قارئین کو ایک طویل عرصہ (تقریباً ۲۰ سال) تک ان کے دوسرے مجموعے کا انتظار رہا۔ یہ مجموعہ جس کا منفرد عنوان دیوان تھا اِن کی وفات کے بعد شائع ہوا۔ یہ مجموعہ بھی ان کی غزلوں پر مشتمل تھا۔ غزلوں کے اس مجموعے کو برگِ نَے سے بھی زیادہ پذیرائی نصیب ہوئی۔ دیوان نے ناصؔر کاظمی کو جدید اُردو غزل کے معماروں کی صف میں لاکھڑا کیا۔ اِس صورت میں اِن کے چاہنے والوں کے اذہان پر ناصؔر کی شخصیت ایک غزل گو کے طور پر ایسی نقش ہوگئی کہ ان کی نظموں کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا۔ شمیم حنفی کی رائے میں ان غزلوں کی گرفت اس درجہ شدید تھی کہ ان کی نظمیں کہیں پسِ پردہ چلی گئیں:

''دوسرے مجموعے 'دیوان' (جس کی اشاعت ناصؔر کی موت کے بعد ہوئی، ۱۹۷۲ء) کی گرفت اس کے قارئین پر اتنی مضبوط تھی کہ اس کی نظموں کی طرف کسی کا دھیان ہی نہیں گیا۔''۹

ناصؔر کاظمی خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اپنے دلی جذبات کو لوگوں تک پہچانے کے لئے وہ نظم اور غزل دونوں پر ہی قدرت رکھتے تھے۔ یوں تو اُن کی تمام شاعری اُن کے جمالیاتی ذوق کا آئینہ دار ہے۔ مگر وہ نظم کی نسبت فنِ غزل گوئی کا حق بہتر طور پر ادا کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ناصؔر کاظمی کے لئے یہ دُنیا ایک حیرت کدہ تھی۔ غزل کی مختصر بحر میں وہ امکانات کے بے شمار سرے اُبھارنے میں کامیاب ہوجاتے اور ان کی کی غزل معنوی اعتبار سے ایک بھر پور غزل ہوتی۔ اس کے برعکس غزل کے ساتھ ساتھ نظم کا اس درجہ حق ادا کرنا شاید ناصؔر کاظمی کے لئے ممکن نہ تھا۔ غزل سے اُن کی قربت کا سبب خود ان کی طبیعت تھی اور اس میں کسی قدر آپ کے مزاج کو بھی دخل حاصل تھا:

''حقیقت تو یہ ہے کہ ناصؔر کاظمی کا مزاج غزل گوئی کے لیے ہی مناسب ترین تھا۔ بے شک تخیل، فکر، جذبہ واحساس کے شاعرانہ اظہار پر غزل یا نظم کی قید نہیں لگائی جا سکتی لیکن انسان ایک کائنات ہوتے ہوئے بھی ایک اور وسیع کائنات کا ننّا سا نقطہ بھی ہے۔ یوں وہ اپنے بازوؤں کی وسعت میں بہت کچھ سمیٹ تو سکتا ہے لیکن اس بہت کچھ میں سے ہر ایک کی مناسب حفاظت کا حق ادا کر سکنا ہر ایک کے لیے ممکن نہیں ہو سکتا۔''۱۰

نظم کے ابلاغ کے لئے بات کا فوری ابلاغ ضروری ہے تاکہ بات کو آگے بڑھایا جو سکے۔ کیونکہ غزل کا ہر شعر اکائی ہوتا

ہے لہٰذا امکانات پر محض روشنی ڈالنا کافی خیال کیا جاتا ہے۔اس کے برعکس نظم میں کسی سَمت کا تعین ضروری ہوتا ہے ورنہ نظم گرفت سے نکل جاتی ہے۔ناصؔر کاظمی کو نظم گوئی میں ایسی مشکلات کا سامنا رہا۔تاہم ناصؔر کاظمی کی نظم گوئی نے ان کی غزل پر خوش گوار اثرات مُرتب کیئے۔ناصؔر کاظمی کو غزل کے شعبہ میں بلاشبہ یہ کمال حاصل رہا کہ اُن کی غزل ریزہ خیالی جیسے عیب سے پاک رہی اور اُن کی بیشتر غزلیں کسی ایک خاص مرکزی نقطہ کے گرد مرکوز ہیں۔اِنہیں مسلسل غزل کہنے پر عبور حاصل تھا اور یہ عبور دراصل اُس جذبے کی کارفرمائی تھی جس کے تحت وہ بہتر سے بہتر نظم لکھنے کے آرزو مند رہے۔اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ وہ نظم کے میدان میں خاطر خواہ کامیاب نہ تھے تو ہمیں یہ بات ماننی پڑتی ہے کہ اِن کی کامیاب مسلسل غزل کے پسِ پردہ نظم کا وہ تجربہ شامل تھا جو تسلسل کے ساتھ خیالات کو ایک لڑی میں پرونا جانتا تھا۔پہلی بارش کی مسلسل غزلیں اس پر دلالت کرتی ہیں:

> ’’نظم میں تجربہ کیا لیکن کچھ زیادہ کامیاب نہ ہوئے۔بعد میں یہی نظم گوئی کا جذبہ پہلی بارش کی مسلسل غزلوں میں اپنا اظہار کر گیا۔‘‘۱۱

جس طرح ناصؔر کاظمی جدید غزل گو ہوتے ہوئے بھی روایت سے اپنا دامن نہ بچا پائے اسی طرح نظم میں بھی روایت سے کنارہ کشی ان کے لئے ممکن نہ تھی۔ان کے نزدیک ہجرت محض ایک ذاتی تجربہ نہیں بلکہ اس کے پس منظر میں ایک تہذیبی تجربہ جھانکتا ہوا محسوس کیا جاسکتا ہے۔وہ ۱۹۴۷ء کی ہجرت کو صرف ایک واقعہ تصور نہیں کرتے بلکہ اس کے تناظر میں وہ تہذیبی تجربہ ہے جس کا شکار انساں صدیوں سے ہوتا چلا آیا ہے۔وہ اس تجربے کے حوالے سے دُکھ کی تہذیبی روایت تک رسائی حاصل کرتے ہیں:

جلتا ہوں داغِ بے وطنی سے مگر کبھی
روشن کرے گی نام مرا سوختہ تنی
خوش رہنے کے ہزار بہانے ہیں دہر میں
میرے خمیر میں ہے مگر غم کی چاشنی
یا رب! زمانہ ممتحنِ اہلِ صبر ہے
دے اس دنی کو اور بھی توفیقِ دشمنی۱۲

تقسیمِ ہند اور قیامِ پاکستان کے دوران کی گئی ہجرت نے ناصؔر کاظمی کے لاشعور میں یادوں کے بے شمار در کھول دیے وہ کس طرح اس واقعے کو روایت کے ساتھ جڑا ہوا دیکھتے ہیں اس کی تشریح شمیم حنفی نے اس طور کی:

> ’’لیکن ،’نشاطِ خواب‘ میں ناصؔر کی شخصیت کی یادوں کے ایک گم شدہ علاقے اور ایک ایسے تہذیبی تجربے کی باز یافت کا وسیلہ بنی ہے جسے ۱۹۴۷ء کی تقسیم اور ناصؔر کی ہجرت کے واقعے نے عقبی پردہ مہیا کیا تھا۔‘‘۱۳

ناصؔر کا اس طرح واقعات کو دیکھنا اور محسوس کرنا دراصل شعری روایت سے وہ واقفیت ہے جس کی بنیاد پر کوئی شاعر اس قسم

کی تخلیق کاوش کے لئے اپنے لاشعور میں ماضی کے تمام تجربات کو کشید کر لیتا ہے جو اس خطے میں بسنے والے انسانوں پر تاریخ کے کسی موڑ پر گزرے۔روایت سے کٹ کر اس طرح کی تخلیقی کوشش بے سود ثابت ہوسکتی تھی مگر ناصؔر نے روایت کا دامن تھام کر اپنی نظم کو موثر بنا دیا۔ایک اعلیٰ فن پارہ اس شعوری کوشش کے بغیر ظہور نہیں پا سکتا۔ناصؔر کی نظم میں جو ثقافت سانس لے رہی ہے اس کی جزئیات نشاطِ خواب کے اس اشعار میں ملاحظہ کیجیے:

کل رات اس پری کی عُروسی کا جشن تھا!
دیکھی تھی میں نے دور سے بس اس کی روشنی
ہر ملک ہر دیار کے خوش وضع مہمان!
بیٹھے تھے زیب ِتن کیے ملبوس درشنی!
جلنے لگیں درختوں میں خوشبو کی بتیاں!
پھر چھیڑ دی ہوائے نیستاں نے سمفنی!
ہاتھوں میں رنگترے لیے سَر پر صراحیاں!
کچی نکور باندیاں نکلیں بنی ٹھنی!
کشمش ،چھوارے، کاغذی بادام چار مغز!
رکھے تھے رنگ رنگ کے میوے چشیدنی!۱۴

یوں ناصؔر ایک چھوٹے سے واقعہ کو بیان کرنے میں پوری تہذیب وثقافت کا نقشہ ہمارے سامنے کھینچ کر رکھ دیتے ہیں۔ایک ایسی ثقافت جو ہماری سب کی میراث ہے اور ہماری مشترکہ روایت کا حصہ بن چکی ہے۔مگر ناصؔر کی یہ خوبی بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کہ وہ اس روایت کا کوئی معمولی سے معمولی رُخ ہماری نظروں سے اُجھل نہیں ہونے دیتے:

''اس کے ساتھ ایک پوری تہذیب کسی نہ کسی واقعے، احساس ، خیال، شے یا شخص کے بہانے در آتی ہے اور نظم میں اپنے لیے جگہ بنا لیتی ہے۔ اپنی عروسی کے جشن میں وہ پری شریک ہوتی ہے تو اس طرح کہ اجتماعی ثقافت اور مشترکہ تہذیبی وراثت کا ایک بھراپُرا زمانہ بھی پھر سے جاگ پڑتا ہے۔ناصؔر کی گرفت سے کوئی متعلقہ منظر کوئی شخص ،کوئی شے،کوئی رنگ بچنے نہیں پاتا۔ ہر سمت سے ظہور پذیر ہونے والی لہریں بالا آخر ایک سمفنی کا حصہ بن جاتی ہے۔''۱۵

ناصؔر کی نظموں کا مجموعہ نشــــاطِ خــواب ایک منفرد اُسلوب رکھتا ہے۔ ناصؔر کا ہر شائع ہونے والا مجموعۂ شاعری ان کے پہلے مجموعے سے زیادہ دلکش اور متنوع ہے۔ ناصؔر کی یہ ارتقاء پذیری انہیں انجماد کی کیفیت سے دوچار نہیں ہونے دیتی اور ان کے کلام میں رعنائی کا باعث ہے۔ ہر چند کہ ان کا ہر اُسلوب دل پذیر رہا مگر اس کے باوجود بھی ناصؔر نے اپنے سخن کو کسی ایک خاص اُسلوب کا اسیر نہیں ہونے دیا۔ یہ اُن کے عظیم شاعر ہونے کی دلیل ہے کیونکہ بقول سلیم احمد:

''جولوگ ہمیشہ ایک سے انداز میں اچھے شعر لکھتے رہتے ہیں ان کی شاعرانہ شخصیت میں کوئی نہ کوئی کھوٹ ضرور ہوتا ہے۔''۱۶

ناؔصر نے اپنی مقبولیت کے باوجود بھی اپنے اُسلوب کو بدل بدل کر اس کی رنگینوں میں اضافہ کیا۔کیف ونشاط کے ہر پہلو کو رگِ حرف میں اُتار کر اپنے کلام کو ہر رُخ سے جاذبِ نظر بنا دیا۔ اس کوشش میں ناؔصر کا اُسلوب اِن کے غزلیہ بالکل مختلف نظر آنے لگا۔یوں ان کی نظموں کے مجموعے نشـــاطِ خـواب نے ثابت کر دیا کہ ناؔصر کاظمی محض ایک اُسلوب کا شاعر نہیں بلکہ تنوع کا شاعر ہے۔ اس کی شاعری میں زُبان اوراُسلوب ارتقاء پذیر رہا۔غزل کے مقابلے میں اُس کی جادو اثر نظمیں ایک مختلف اُسلوب کی مالک ہیں۔اسی طرح اسکے ترانے مختلف طرح کی ریاضت کا ثمر ہیں۔اظہار کے مختلف انداز نے ناؔصر کی شاعری میں انجماد کی کیفیت پیدا نہیں ہونے دی۔برمحل زُبان کے استعمال نے اِن کی نظم کے جادوئی تاثر کو اور زیادہ بڑھایا ہے۔ ناؔصر نے اپنے لئے نئی سے نئی منزل کا انتخاب کیا اور اس کی تلاش اور جستجو میں وہ کسی خوف کے بغیر نکل کھڑا ہوا اور اسے کامیابیاں نصیب ہوتی چلی گئیں۔ یہ درست ہے کہ اس دشوار گزار راستے میں اُس کا وجود چھلنی بھی ہوا اور لہولہان جسم کے ساتھ اسے یہ سفر جاری رکھنا پڑا مگر آخری کامیابی کے لئے اُسے ہر امتحان میں پورا اُترنا پڑا۔ ناؔصر کاظمی خود بھی میدانِ سخن میں اس نظریے کے ساتھ اُترے کہ اہلِ دانش کا سفر ہر حال میں جاری رہتا ہے۔کسی منزل پر پڑاؤ اس کے نصیب میں نہیں۔ ایثار کا جذبہ ہرصورت میں فن کار پر غالب رہتا ہے۔ وہ تخلیقی سفر میں بے شمار قربانیاں دے کر اپنی اَن دیکھی منزل کی دُھن میں لگا رہتا ہے۔ادب کی دُنیا کا طالبِ علم ایک عام طالبِ علم سے بہت مختلف ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے معیار خود مقرر کرتا ہے۔وہ اپنے تنقیدی مضمون میں اس ساری بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس ساری بحث سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ سب سے پہلی اور بڑی پابندی لکھنے والے کی اپنی ذات ہے۔ اگر لکھنے والے کا مطالعہ، مشاہدہ اور تجربہ کم ہے تو اس کی تحریر بھی کم پائے کی ہو گی۔مگر تخلیقی مطالعہ، مشاہدے اور تجربے کے لئے اِسے بہت سی قربانیاں دینی پڑتی ہیں ۔مثلاً ایک ذہین طالبِ علم چند برس محنت کر کے کوئی معقول ملازمت تو حاصل کر سکتا ہے لیکن اگر وہ ادیب یا شاعر بننا چاہتا ہے تو وہ عمر بھر طالبِ علم رہتا ہے۔ اس کی ڈگریاں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔''۱۷

ناؔصر کاظمی کی نظموں میں ان کی لفظیات کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ وہ الفاظ کا استعمال ان کے مزاج کے مطابق کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ہر لفظ ایک جیتا جاگتا شخص ہے جو اپنا الگ مزاج رکھتا ہے۔وہ شاعرانہ نزاکتوں کو سمجھتے ہوئے الفاظ کو برتتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے بقول:

ع ہر لفظ ایک شخص ہے ہر مصرعہ آدمی ۱۸

ناؔصر کاظمی نے نئے الفاظ نہیں تراشے بلکہ الفاظ کو نئے پیرہن عطا کیے ہیں اسطرح وہ اپنی لفظیات سے نئے معنی تراشنے میں کامیاب ہوئے۔ان کی آزاد نظم ''ہر محاذِ جنگ پر'' کا آغاز یوں ہوتا ہے:

اے خدائے دو جہاں

تیرے حکم سے بہار اور خزاں

تو نے خاکِ مُردہ کو شجر دیے

رَس بھرے ثمر دیے

بحر کو صدف، صدف کو بے بہا گہر دیے

طائروں کو تازہ بال و پَر دیے

بے گھروں کو گھر دیے۱۹

ناصؔر کاظمی کی ریاضتِ فن کا کمال الفاظ کی تازہ کاری ہے۔ اِنہیں الفاظ پر مکمل دسترس حاصل ہے جس کے باعث وہ انہیں نئے انداز سے استعمال کر کے نئی زندگی عطا کرتے ہیں۔ اپنی نظموں میں وہ ملمع سازی یا رنگ وروغن شدہ الفاظ کا سہارا نہیں لیتے بلکہ عام الفاظ کو اُجالتے ہیں۔ نظموں میں ناصؔر نے یہ کمال آسانی سے پیدا نہیں کیا بلکہ اس کے پس منظر میں اِن کے غزلیہ کلام کی ریاضت بھی شامل ہے جس کے باعث اِن کے اشعار موتی سے تابدار ہوئے۔ محنت اور توجہ فن کو فروغ دینے کے لئے بنیادی شرائط ہیں۔ منفرد کام کرنے سے پہلے غور وفکر ضروری ہے اور صلاحیت کے مطابق موضوع کا انتخاب کرنا ہی کافی نہیں بلکہ الفاظ کو احتیاط وسلیقہ سے استعمال کرنا بھی عمدہ نظم کی تخلیق میں خشت اوّل کا کردار ادا کرتا ہے:

''ان سبھی نظموں میں ناصؔر کی قادرالکلامی کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف لفظوں کا خوبصورت استعمال کرتے ہیں بلکہ کتنے ہی لفظوں کو نیا پن دے کر انہیں تازہ دم کر جاتے ہیں۔''۲۰

نظم کی تعمیر میں مشکل ترین مرحلہ جذبات نگاری ہے۔ الفاظ خیالات کی بیساکھیاں ہوا کرتے ہیں اور اِنہیں کے سہارے جذبات کا نکاس ممکن ہوتا ہے لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ان کا انتخاب بھی سوچ سمجھ کر کیا جائے بصورتِ دیگر اُسلوب کے متاثر ہونے کا احتمال رہے گا۔ ناصؔر نے موضوع کی مناسبت سے الفاظ کا چناؤ کر کے جذبات کی وقعت کو بڑھا دیا ہے:

سورج سے گھر، چاند سی گلیاں، جنت کی تصویر

بانکے چھیل چھبیلے گبھرو غیرت کی شمشیر!

سبک چال نخریلے گھوڑے، کڑیل نیزہ باز

آنکھیں تیز کڑکتی بجلی تاروں کی ہمراز

زندہ دلوں کا گہوارہ ہے سرگودھا میرا شہر۲۱

ناصؔر کے اِس بدلتے اُسلوب نے وطن سے محبت کے اظہار میں الفاظ کی ایک خوبصورت مالا پروئی ہے۔ ملّی ترانوں میں ان کی شاعرانہ خلّاقی اہلِ وطن سے عقیدت اور وطن کی ہر شے سے کمال وارفتگی کی صورت میں موجزن ہوتی دکھائی دیتی ہے:

''... مگر ناصؔر کاظمی نے ۱۹۶۵ء، ۱۹۷۱ء کی جنگ میں جو ترانے لکھے، ان سے ایک جذبہ حب الوطنی سے

سرشار منفرد سوچ کے حامل ناصؔر کاظمی سے ہماری ملاقات ہوتی ہے، جو جذبوں کو لفظوں کا پیراہن دینا جانتا ہے۔"۲۲

ناصؔر کاظمی نے اپنی غزل میں چھوٹی بحر کا ستعال کر کے امکانات کے بے شمار سرے اُبھارے ہیں ۔ وہ اس سلسلے میں خاصے کامیاب بھی نظر آتے ہیں کہ وہ قاری کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔اسی طرح ان کی نظم بھی ایک حیرت کدہ ہے جو ذہن میں ایک طلسماتی فضا قائم کر دیتی ہے اور قاری اس فضا کا اسیر ہو جاتا ہے۔ان کی نظموں کا مجموعہ' نشاطِ خواب' طلسمات کا در وا کرتا ہے جس میں داخل ہونے کے بعد یک گونا پُراسراریت قاری پر پردے تان لیتی ہے۔ اِن کی ایک نظم کا حوالہ دیتے ہوئے شمیم حنفی لکھتے ہیں:

"یہی صورتِ حال' نشاطِ خوابِ' کی بھی ہے۔نظم کے ارتقاء کے ساتھ یادوں کی پیاس بھی بڑھتی جاتی ہے اور ناصؔر کی بصیرت کے دائرے میں یادوں کے اس شہرِ طلسمات کا ہر زاویہ، ہر روپ، ہر رنگ سمٹتا چلا آتا ہے۔"۲۳

شاعر کا تخیل فطرت سے ہم آہنگ ہوتا ہے لیکن اس کے علاوہ یہی تخلیل نئی فطرت بھی تر شتا ہے۔اس میں شک نہیں کہ یہ شاعر کے تصورات ہیں جو ایسی ایسی اشکال تخلیق کرتے ہیں جو فطرت کے دامن میں بھی نہیں۔ یہ جادوئی فضا ناصؔر کی جدتِ طبع کا حاصل ہے۔ناصؔر نے ماورائے فطرت کردار بھی اپنی نظموں میں پیش کیے۔ان کی نظم نشاطِ خواب کا یہ شعر:

رہتی تھی اس نواح میں ایسی بھی ایک خلق !
پوشاک جس کی دھوپ تھی خوراک چاندنی۲۴

اس مرحلے پر ہمیں ناصؔر کی نظم کو مغربی اور مشرقی شعری نظریات کے تناظر میں دیکھنے کی بھی ضرورت ہے ۔انگریزی اَدب میں اس قسم کا شعری ذوق ہمیں ھومر کے ہاں ملتا ہے۔ھومر کی شاعری کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ ہر طرح کے انسان کو،خواہ وہ بوڑھا ہو یا جوان، فرحت پہنچاتی ہے۔وہ کہیں کا بھی رہنے والا ہو اس سے لطف اندوز ہوسکتا ہے۔ یہی وہ خوبی ہے جس کی وضاحت اُس نے بحثیت نقاد خود کی۔چنانچہ وہ شعر کی ماہیت اور نوعیت پر غور کرتے ہوئے محسوس کرتا ہے کہ شعر کوئی ماروائی قوت کا استعارہ ہے۔کوئی آسمانی قوت جو شاعر پر مہربان ہوجاتی ہے تخلیقِ شعر کا باعث بنتی ہے۔مگر اہم ترین بات یہ ہے کہ ھومر کے نزدیک شاعری کا مقصد دیگر فنونِ لطیفہ کی طرح حظ اُٹھانا ہے۔اپنے گہرے تنقیدی شعور کی بنا پر شاعری کے حوالے سے ھومر کی رائے بے حد معتبر ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ ھومر ارسطو سے سینکڑوں برس پہلے علم کے یہ بنیادی نشانات چھوڑ چکا تھا۔ارسطو کی بوطیقا کا ظہور بھی اپنے پس منظر میں انہیں بنیادوں کا شعور لیے ہوئے ہے۔ھومر کے مطابق شاعر کا کام معمولی کو غیر معمولی بنانا ہے ۔وہ اس پیتل کی دنیا کو سونے کی دنیا بنا دیتا ہے۔مگر ایسا کرنے میں اُسے ماورائی طاقتوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔جمیل جالبی لکھتے ہیں:

"ھومر(۹۔۱۲ صدی ق۔م؟) کے نزدیک شاعری کا مقصد"لطف" ہے، جو ایک قسم کے جادو سے پیدا ہوتا ہے۔ھومر شاعرانہ قوت کو الہامی قوت کہتا ہے اور اسے دیوتاؤں سے منسوب کرتا ہے جس کی مدد اور دعا سے

اپنی نظمیں تخلیق کرتا ہے۔''۲۵

ہر چند کہ ارسطو (۳۸۴۔۳۲۲ق۔م) نے اپنے اُستاد کے ان شعری نظریات کو اثر زائل کرنے کی سعی کی مگر اس کے باوجود بھی مغربی شعری نظریات پر افلاطون کا غلبہ رہا۔ یونان کے زوال کے بعد جس قوم کے مقدر کا ستارہ چمکا وہ یقیناً اہلِ روما تھے۔اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ یونانی تہذیب اور رومی تہذیب کئی اعتبار سے ملتی جُلتی ہیں۔ارسطو جیسے نقاد کے نظریات کو اصل فروغ اہلِ روما نے ہی دیا۔ افلاطون کے برعکس اور ارسطو کی نیابت میں لونجائنس نے شاعری اور نثر کے دل میں فوری اُتر جانے کا سبب ان سے حاصل ہونے والے لطف کو قرار دیا ہے۔وہ آج کل کے اُستاد کی طرح نظموں کے مخصوص حصوں کی وضاحت کرتا ہے اور ان کے متعلق اپنی رائے کا اظہار بھی کرتا ہے:

''جیسے ارسطو پہلا کلاسیکی نقاد ہے اسی طرح لونجائنس کو پہلا رومانی نقاد کہا جا سکتا ہے۔ وہ ان معانی میں جدید نقاد ہے کہ وہ ادب کو اسی نظر سے دیکھ رہا ہے جس نظر سے ہم آج ادب کو دیکھتے ہیں۔ وہ ادب میں'' لطف اندازی'' پر زور دیتا ہے۔''۲۶

جہاں تک مشرقی شعری نظریات کا تعلق ہے تو مشرقی شعری نظریات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ایک وہ نظریات جن کو انگریزی ادب سے اُردو ادب میں متعارف کروایا گیا۔دوسرے وہ نظریات جو عربی اور فارسی سے اُردو زبان وادب میں آئے ۔ اوّلذکر نظریات کے سرخیل مولانا الطاف حسین حالؔی ہیں۔شاعری کو کسی تحریک کے طور پر استعمال کرنے کے حوالے سے مولانا حالؔی کی فکر کسی کشمش کا شکار دکھائی نہیں دیتی بلکہ وہ ایسی شاعری کو بے جان اور بے عصر تصور کرتے ہیں۔ان کی رائے میں کوئی باطنی ولولہ پُراثر شعر کا موجب نہیں بن سکتا بلکہ پُر اثر شعر کے لیے احساسات کو دلی وارفتگی حاصل ہونی چاہیے۔ شاعری کو تاریخ کے پس منظر میں متحرک قوت( DynamicForce )کے طور پر دیکھا اور اسے دلوں کو مسخر کرنے والی جادوئی شے قرار دیا:

''تاریخ میں ایسی مثالیں بے شمار ملتی ہیں کہ شعراء نے اپنی جادو بیانی سے لوگوں کے دلوں پر فتح نمایاں حاصل کی۔''۲۷

دوسرے قسم کے شعری نظریات کے حوالے سے یہ بات نہایت اہم ہے کہ نا صرف فارسی بلکہ عربی شعریات بھی شعر کے حلقۂ اثر کو معلومات کی فراہمی تک محدود نہیں کرتیں۔شعر کوئی Statement یا بیان نہیں جو حقائق واضح کرے بلکہ شعر کا تعلق تو حکمت اور دانائی سے ہے۔یہی وجہ ہے کہ قدیم تذکروں میں شاعری کا مقصد سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کا ذکر نہ تھا اور نا ہی سچ اور جھوٹ میں تفریق کرنا اس کے مسلک میں شامل تھا۔اس حوالے سے عزیز ان الحسن لکھتے ہیں :

''یہ عرب شعریات کا اُصول ہے کہ شعر کا کام ''اطلاع'' فراہم کرنا نہیں۔ بلکہ اس کا تعلق حکمت جیسے عظیم وبزرگ حقائق سے ہے۔ اسی لیے قدما کے تصورِ شعر میں شاعری عموما اپنے سیاسی ، سماجی اور معاشی ماحول سے بے نیاز نظر آتی ہے۔ اس کا کام محض سیاسی، سماجی اور اخلاقی تضادات کو پیش کرنا نہیں ہوتا اور نہ ہی شعری کمال کو صرف سچ اور جھوٹ کے معیار پر پرکھا جانا چاہیے۔''۲۸

اس سچ اور جھوٹ سے بے نیاز شاعری میں سب سے اہم عنصر ناصر کاظمی کا پُر تاثیر لہجہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ ناصؔر کی شاعری ذہنوں کو ایک نیا زاویۂ نظر عطا کرتی ہے۔ اس میں موجود غیر معمولی صلاحیت رکھنے والے کردار فکر میں ارتعاش پیدا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ رات ناصؔر کاظمی کی شاعری میں طلسمات کے در کھولتی ہے۔اس کے بکھرے ہوئے رت جگے نہ صرف اس کی غزلوں کا احاطہ کیے ہوئے ہیں بلکہ نظموں میں بھی جا بجا ان کے تذکرے ملتے ہیں ۔صرف یہی نہیں بلکہ رات کے بہت سے جادو ناصؔر کے طفیل ان کی نظموں میں وا ہوئے ہیں ۔یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آج بھی ان میں پوشیدہ جہانِ معانی اربابِ ذکا کو دعوتِ فکر ونظر دے رہا ہے۔اب یہ اُردو ادب کے اکابرین اور ناقدین اور قارئین پر منحصر ہے کہ وہ اس طلسم کو اپنے قابو میں لانے کے لئے اس جادوئی دنیا میں اُتریں جو بظاہر مشکل نظر آرہا ہے کیونکہ اِس حوالے سے باصر سلطان نے بہت معنی خیز انداز میں کہہ دیا ہے کہ:

> ''شاعری مفہوم ومعنی کا ساتواں در کھولتی ہے۔ جو الفاظ شاعری میں استعمال ہوتے ہیں وہ گنجینۂ معنی نہیں بلکہ گنجینۂ معنی کا طلسم ہوتے ہیں اور یہ طلسم کھولنے کے لیے بڑے جتن کرنے پڑتے ہیں۔''۲۹

## حواشی وحوالہ جات


۱۔ وزیر آغا، ڈاکٹر،اُردو شاعری کا مزاج،لاہور، مکتبۂ عالیہ،۱۹۷۸ء،ص۳۱۳

۲۔ اشفاق حسین، فیضؔ: ایک جائزہ ،کراچی، ماس پرنٹرز،۲۰۱۱ء ص۴۶

۳۔ غالب احمد،''ناصؔر کاظمی کا شہرِ غزل''،مشمولہ ناصؔر کاظمی کا شہرِ غزل،لاہور، اسلامک بُک سنٹر،۲۰۱۰ء،ص۱۰۰

۴۔ غالب احمد،''ناصؔر کاظمی کا شہرِ غزل''،مشمولہ ناصؔر کاظمی کا شہرِ غزل،لاہور، اسلامک بُک سنٹر،۲۰۱۰ء،ص۱۰۱

۵۔ ناصؔر کاظمی، ناصؔر کاظمی کی ڈائری،لاہور،چائنہ آرٹ پریس،۱۹۹۵ء،ص۱۸

۶۔ ناصؔر کاظمی،''آخری گفتگو''،مشمولہ ہجر کی رات کا ستارہ،لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۳ء،ص۱۶۳

۷۔ عبدالوحید،ڈاکٹر،جدید شعرائے اُردو، لاہور،فروز سنز،س ن،ص۱۱۰۵

۸۔ باصر سلطان کاظمی،''ناصؔر کاظمی کا دیوان''،مشمولہ ہجر کی رات کا ستارہ،لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۳ء،ص۲۹۸

۹۔ شمیم حنفی،''ناصؔر کاظمی۔اور ان کا یادنگر''،مشمولہ، ناصؔر کاظمی کا شہرِ غزل،لاہور، اسلامک بُک سنٹر،۲۰۱۰ء،ص۷۸

۱۰۔ ناہید قاسمی، ناصؔر کی نظم اور نثر کا جائزہ،مشمولہ ناصؔر کاظمی: شخصیت اور فن،لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۸ء،ص۱۵۷

۱۱۔ ناہید قاسمی،ڈاکٹر،''ناصؔر کی نظم اور نثر کا جائزہ''،مشمولہ ناصؔر کاظمی: شخصیت اور فن،لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۸ء،ص۱۸۴

۱۲۔ ناصؔر کاظمی،''نشاطِ خواب''،مشمولہ کلیاتِ ناصؔر،لاہور،فضل حق اینڈ سنز،۱۹۸۹ء،ص۱۵

۱۳۔ شمیم حنفی،''ناصؔر کاظمی۔اور ان کا یادنگر''،مشمولہ ناصؔر کاظمی کا شہرِ غزل،لاہور، اسلامک بُک سنٹر،۲۰۱۰ء،ص۷۸

۱۴۔ ناصؔر کاظمی،''نشاطِ خواب''،مشمولہ کلیاتِ ناصؔر،لاہور،فضل حق اینڈ سنز،۱۹۸۹ء،ص۱۰۔۱۱

۱۵۔ شمیم حنفی،''ناصؔر کاظمی ۔۔۔ اور ان کا یادنگر''،مشمولہ ہجر کی رات کا ستارہ،لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۳ء،ص۲۶۰

۱۶۔ سلیم احمد،''نئی دنیا کا مسافر''،مشمولہ ہجر کی رات کا مسافر،احمد مشتاق،باصر سلطان،لاہور،سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۳ء،ص۴۷

۱۷۔ ناصؔر کاظمی،''ادیب اور معاشرتی پابندیاں''،مشمولہ خشک چشمے کے کنارے،لاہور،فضل حق اینڈ سنز،۱۹۹۰ء ص۳۶۔۳۷

۱۸۔ ناصؔر کاظمی،''نشاطِ خواب''،مشمولہ کلیاتِ ناصؔر،لاہور،فضل حق اینڈ سنز،۱۹۸۹ء،ص۱۵

۱۹۔ ناصؔر کاظمی،''نشاطِ خواب''،مشمولہ کلیاتِ ناصؔر،لاہور،فضل حق اینڈ سنز،۱۹۸۹ء،ص۶۷

۲۰۔ ناہید قاسمی،''ناصؔر کی نظم اور نثر کا جائزہ''،مشمولہ ناصؔر کاظمی: شخصیت اور فن،لاہور،سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۸ء،ص۱۶۱

۲۱۔ ناصؔر کاظمی،''نشاطِ خواب''،مشمولہ کلیاتِ ناصؔر،لاہور،فضل حق اینڈ سنز،۱۹۸۹ء،ص۵۴

۲۲۔ حسؔن رضوی۔ڈاکٹر،وہ تیرا شاعر، وہ تیرا ناصؔر،لاہور،سنگِ میل پبلی کیشنز،۱۹۹۶ء،ص۲۹۹

۲۳۔ شمیؔم حنفی،''ناصؔر کاظمی۔اور ان کا یادنگر''،مشمولہ، ناصؔر کاظمی کا شہرِ غزل،لاہور، اسلامک بک سنٹر،۲۰۱۰ء،ص۷۸

۲۴۔ ناصؔر کاظمی،''نشاطِ خواب''،مشمولہ کلیاتِ ناصؔر،لاہور،فضل حق اینڈ سنز،۱۹۸۹ء،ص۱۰

۲۵۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر،ارسطو سے ایلیٹ تک،اسلام آباد،نیشنل بک فاؤنڈیشن،۱۹۷۵ء،ص۱۔۲

۲۶۔ سلیم اختر،تنقیدی اصلاحات،لاہور،سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۱ء،ص۱۷۰

۲۷۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر،ارسطو سے ایلیٹ تک،اسلام آباد،نیشنل بک فاؤنڈیشن،۱۹۷۵ء،ص۴۳۴

۲۸۔ عزیز ابن الحسن،ڈاکٹر،اُردو تنقید__چند منزلیں(آغاز سے رومانویت تک)،اسلام آباد،پورب اکادمی،س ن،ص۲۲

۲۹۔ باصر سلطان کاظمی،''ناصؔر کاظمی کا دیوان''،مشمولہ ہجر کی رات کا ستارہ،لاہور،سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۳ء،ص۳۰۵